© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ششماہی علوم القرآن علی گڑھ، ۲۸/۱، جنوری - جون ۲۰۱۳ء

ادار یہ

مالی معاملات میں قرآن کے مطالبات

ظفر الاسلام اصلاحی

قرآن کریم کی رہنمائی انسانی زندگی کے جملہ شعبوں کو محیط ہے۔ روزمرہ زندگی سے متعلق اس کی ہدایات وتعلیمات کو جاننا، سمجھنا اور ان پر عمل کرنا دراصل اس کے نزول کے مقصد کو پورا کرنا ہے۔ ہر صاحب ایمان کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ شب وروز بسر کرتے ہوئے قرآن اس سے کیا مطالبہ کرتا ہے۔ یہ سوال بڑا اہم ہے اور اس کا تعلق زندگی کے تمام شعبوں (مذہبی واخلاقی، سماجی معاشی اور سیاسی وانتظامی) سے ہے۔ اس سوال کے جواب سے پورا قرآن بھرا پڑا ہے۔ اس اداریہ میں خاص طور سے مالی معاملات سے متعلق قرآنی مطالبات کی وضاحت مقصود ہے۔ زندگی کے مختلف شعبوں میں معاشی پہلو یا مالی معاملات کی کافی اہمیت ہے بلکہ یہ دوسرے شعبوں کو بھی متاثر کرتے ہیں۔ ان سے متعلق قرآنی ہدایات وتعلیمات کی اہمیت ومعنویت اس وجہ سے اور بڑھ گئی ہے کہ موجودہ دور میں ان سے بے توجہی وغفلت زیادہ نظر آتی ہے بلکہ یہ کہنا خلاف واقعہ نہ ہوگا کہ ہماری عملی زندگی میں قرآنی احکام کی خلاف ورزی کی زیادہ مثالیں مالی معاملات کے بارے میں ملتی ہیں۔ کسبِ مال میں جائز وناجائز کی رعایت، انفاق فی سبیل اللہ میں مسابقت، مال خرچ کرنے اور وسائل واسباب کے استعمال میں فضول خرچی ونمائش سے اجتناب، خرید وفروخت اور دوسرے معاملات میں دیانت داری، لین دین میں قول وقرار کی پابندی، مال میں مستحقین کے حقوق کی ادائیگی کے باب میں معاشرہ کی جو عام حالت ہے وہ بالکل واضح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ اس صورت حال میں اس ضرورت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ معاشی زندگی و مالی معاملات سے متعلق قرآنی تعلیمات کو بار بار یاد کیا جائے اور دوسروں کو یاد دلایا جائے۔

مال کمانا یا حصول معاش کے لیے کوشش کرنا قرآن کی نظر میں نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے اس لیے کہ اس کا تعلق جان کی حفاظت یا زندگی کے بقا سے ہے جو دین اسلام میں عین مطلوب ہے۔ قرآن کی نگاہ میں معاش کی اہمیت اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ اسے اللہ کے فضل سے تعبیر کیا گیا ہے اور بعض آیات میں مال کو ''خیر'' کہا گیا ہے (البقرہ/ ۲۱۵، ۲۷۲) قرآن کریم میں جہاں کہیں کسبِ مال یا حصولِ معاش کی ترغیب دی گئی ہے وہاں اس انداز میں خطاب ملتا ہے کہ اللہ کا فضل تلاش کرو۔ ارشاد ربانی ہے:

وَمِن رَّحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ (القصص/ ۷۳)

اور اس نے اپنی رحمت ہی سے تمہارے لیے رات و دن کو بنایا ہے کہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور تاکہ تم اس کے فضل کے طالب بنو۔

وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِتَبْتَغُوا فَضْلاً مِّن رَّبِّكُمْ (بنی اسرائیل/ ۱۲)

اور ہم نے دن کی نشانی کو روشن بنایا تاکہ تم اپنے رب کے فضل کے لیے کوشش کرو۔

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيراً لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ٥ (الجمعہ/ ۱۰)

اور جب (جمعہ کی) نماز ختم ہو جائے تو زمین میں بکھر جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

معاش کو فضل اللہ یا فضل رب کہہ کر قرآن نے انسان کو یہ حقیقت یاد دلائی کہ یہ محض اللہ رب العزت کا فضل و کرم ہے کہ اس نے اسے بے شمار ذرائع معاش عطا کیے۔ آسمان، زمین و سمندر کو قدرتی وسائل سے مالا مال کیا اور انسان کو ان سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت بھی بخشی۔ برو بحر میں سفر کی سہولیات مہیا کیں ان سب کا تقاضا یہ ہے کہ معاشی زندگی کی تگ و دو میں اللہ کو یاد کیا جائے۔ مال و اسباب کے حصول پر اس کا شکر ادا کیا جائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اسی کی مرضی کے مطابق ان چیزوں کو استعمال کیا جائے بعض آیات میں واضح طور پر "فضل الٰہی" نصیب ہونے پر شکر گزاری کی تعلیم دی گئی ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَن يُرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرَاتٍ وَلِيُذِيقَكُم مِّن رَّحْمَتِهِ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ٥ (الروم/۴۶)

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ بھیجتا ہے ہواؤں کو (اپنے ابر رحمت کی) خوش خبری دینے والی بنا کر اور تا کہ وہ تم کو اپنی رحمت سے نوازے اور تا کہ کشتیاں اسی کے حکم سے چلیں اور تا کہ تم اس کے فضل کو تلاش کرو اور شکر ادا کرو۔

بلاشبہ مال بھی ایک نعمت ہے اس کے میسر ہونے پر اللہ کا شکر ادا کیا جائے تو اس میں اور اضافہ ہوگا اور منعم حقیقی سے تعلق اور مضبوط ہوگا۔ فرمان الٰہی ملاحظہ ہو:

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ (ابراہیم/۷)

اور جب تمہارے رب نے اعلان کر دیا کہ اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں اضافہ کروں گا۔

قرآن نے کسب مال یا معاش کے لیے جدوجہد کی ترغیب ضرور دی ہے لیکن اس میدان میں انسان کو آزاد نہیں چھوڑ دیا ہے بلکہ اس کے کچھ اصول وضوابط مقرر کیے ہیں اور ان کی پابندی کی ہدایت دی ہے۔ حصول معاش کے ضمن میں قرآن کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ جو کچھ مال یا سامان حاصل کیا جائے وہ جائز ذریعہ سے ہو اور جو چیز حاصل کی جائے وہ خود پاک ہو نجس نہ ہو۔ ذیل کی آیات سے یہی سبق ملتا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ٥ (البقرہ/۱۶۸)

اے لوگو زمین میں جو حلال و پاک چیزیں ہیں انہیں کھاؤ اور شیطان کے بتائے ہوئے راستہ پر نہ چلو وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنتُم بِهِ مُؤْمِنُونَ٥ (المائدہ/۸۸)

اور جو کچھ اللہ نے تمہیں حلال و پاک روزی دی ہے اسے کھاؤ اور اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان لانے والے ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فَکُلُوا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ حَلالاً طَیِّباً وَاشْکُرُوا نِعْمَتَ اللّٰہِ إِن کُنتُمْ إِیَّاہُ تَعْبُدُونَ ○ (النحل/۱۱۴)

اللہ نے جو چیزیں تمہیں حلال و پاکیزہ دے رکھی ہیں انہیں میں سے کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو اگر تم صحیح معنوں میں اس کی عبادت کرنے والے ہو۔

ان آیات میں بار بار حلال روزی کے استعمال کی ہدایت دی گئی ہے۔ ظاہر ہے حلال وہی چیز ہوگی جو جائز طریقے سے حاصل کی گئی ہوگی۔ قرآن کی اس ہدایت سے مقصود ہے کہ نہ تو ناحق کسی کا مال لیا جائے اور نہ اس کے حصول کے لیے جھوٹ، فریب وخیانت کا راستہ اختیار کیا جائے۔ درحقیقت قرآن نے یہ کہہ کر تمام ناجائز ذرائع معاش پر پابندی لگادی کہ لوگو آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ۔ ارشاد ربانی ہے:

وَلاَ تَأْکُلُوا أَمْوَالَکُم بَیْنَکُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِھَا إِلَی الْحُکَّامِ لِتَأْکُلُوا فَرِیْقاً مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ○ (البقرہ/۱۸۸)

اور نہ تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کا مال ناروا طریقہ سے کھاؤ اور نہ حاکموں کے آگے انہیں اس غرض سے پیش کرو کہ تمہیں دوسرے کے مال کا کوئی حصہ جان بوجھ کر ناجائز طریقہ سے کھانے کا موقع مل جائے۔

یہاں یہ واضح رہے کہ باطل طریقہ سے مال کھانے کی ممانعت میں وہ تمام طریقے آگئے جس میں ناجائز طریقہ سے دوسروں کے مال پر قبضہ کیا جاتا ہے یا کسی کے مال سے ناجائز فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ ان میں خیانت، چوری، غارت گری، جوا، سود، رشوت، جھوٹ، جھوٹی گواہی، فریب ودغابازی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ قرآن کریم نے ان کو علیحدہ بھی ذکر کر کے ان کے برے انجام سے متنبہ کیا ہے اور ان سے بچنے کی سخت تاکید کی ہے۔ اوپر کی آیت میں یہ خاص ہدایت بھی دی گئی ہے کہ کسی کے مال یا جائداد پر اپنی ملکیت کا حق قائم کرنے کے لیے کسی حاکم کے سامنے جھوٹا مقدمہ نہ قایم کیا جائے اور نہ حاکم کو رشوت دے کر ناجائز مالی فائدہ اٹھانے یا کسی کا مال ہڑپنے کی کوشش کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائے۔ گویا مال و جائداد کے حصول کے لیے ان ناجائز ذرائع (جن کا چلن عام ہے) کے استعمال کی ممانعت کی گئی ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ کسبِ مال یا حصولِ زر کے ناجائز ذرائع بہت سے ہیں لیکن ان سب پر غور کرنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ان میں سے بیشتر کی جڑ بے ایمانی یا خیانت ہے۔ قرآن نے اپنی ہدایات وتعلیمات کے ذریعہ سے اس پر ضرب کاری لگائی ہے اور اس سے کلّی اجتناب کا حکم دیا ہے اور اسے ان کاموں میں شامل کیا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ سخت ناپسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ o (الانفال/۲۷)	اے ایمان والو! جانتے بوجھتے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کے مرتکب ہو۔

ظاہر ہے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کا مطلب ہے ان کے حکم سے سرتابی کرنا اور ان کی مرضی کے خلاف کام کرنا۔ اس آیت میں امانت میں خیانت کرنے کی بھی ممانعت کی گئی ہے۔ مفسرین نے عام طور پر اس آیت میں امانت سے بہت وسیع معنی مراد لیا ہے اور اس میں عہد و پیمان، قول وقرار، عہدہ ومنصب اور فطری وعلمی صلاحیت سب کچھ شامل کیا ہے۔ لیکن اس کا جو ظاہری اصل مفہوم (مالی امانت) ہے اس کو ترجیح دینا زیادہ مناسب ہوگا اور پھر مالی امانت میں بہت سی چیزیں شامل ہیں جیسا کہ آنے والی تفصیلات سے واضح ہوگا۔ یہ بات بخوبی معوف ہے کہ امانت کا ضد خیانت ہے۔ عام طور پر کسی کے پاس بطور امانت رکھے ہوئے مال یا سامان میں خرد برد کرنے یا اسے پوری طرح ہڑپ کر لینے کو خیانت سے تعبیر کرتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کا مفہوم اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ ملازمت یا اجرت پر کام کرتے ہوئے اس کے جو مقررہ اوقات ہیں ان کی پابندی نہ کرنا یا ڈیوٹی کے اوقات میں اپنا کوئی کام کرنا یا مفوضہ ذمہ داری کی انجام دہی میں غفلت ولاپرواہی برتنا یہ سب خیانت میں شامل ہے۔ اسی طرح ایک مزدور یا ملازم کی جو تنخواہ مقرر ہے اس سے کم ادا کرنا بھی خیانت ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام حرکتیں ذریعہ معاش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو ناجائز اور آمدنی کو حرام بنادیتی ہیں۔ یہاں یہ واضح رہے کہ قرآن کریم کی دو آیتوں (النساء/۱۰۷، الحج/۳۸) میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو خیانت میں ملوث ہوتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

إِنَّ اللّٰهَ لاَ يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّاناً أَثِيماً (النساء/۱۰۷) — اللہ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو خیانت کرنے والے ہیں اور گنہ گار ہیں۔

مزید براں قرآن نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ خیانت کرنے والے اس لائق نہیں ہیں کہ ان کی حمایت کی جائے یا ان کی طرف سے دفاع کیا جائے، اس لیے کہ وہ بددیانت ہیں اور اللہ رب العزت کی نگاہ میں انتہائی ناپسندیدہ ہیں۔ ان کے بارے میں قرآن کی ہدایت یہ ہے:

وَلاَ تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيماً (النساء/۱۰۵) — اور تم خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بنو۔

ان تمام باتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خیانت یا بددیانتی کے ذریعہ جو آمدنی حاصل ہوتی ہے وہ نہ صرف ناجائز ہے بلکہ اس کے بہت سے برے اثرات بھی مترتب ہوتے ہیں۔ خرید وفروخت کرتے وقت ناپ تول میں کمی کرنا کھلی ہوئی خیانت و بددیانتی ہے۔ قرآن نے اس بری حرکت کی سخت ممانعت کی ہے اور ٹھیک ٹھیک ناپنے و تولنے کی ہدایت دی ہے اس لیے کہ تجارتی دیانت کا تقاضا یہی ہے اور حق وانصاف کا بھی یہی مطالبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذا كِلْتُمْ وَزِنُواْ بِالقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلاً (بنی اسرائیل/۳۵) — اور پورا پورا ناپو جب تم ناپو اور ٹھیک ٹھیک ترازو سے تولو۔

فَأَوْفُواْ الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلاَ تَبْخَسُواْ النَّاسَ أَشْيَاءهُمْ (الاعراف/۸۵) — اور ٹھیک ٹھیک ناپو اور تولو اور لوگوں کی چیزیں کم نہ کرو۔

ان کے علاوہ متعدد دیگر آیتوں (الانعام/۱۵۲، ہود/۸۵، الشعرا/۱۸۲، الرحمٰن/

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۸-۹) میں تقریباً یہی ہدایت دی گئی ہے۔ مزید برآں ایک آیت (المطففین ر۱-۳) میں ناپ تول میں کمی کو انجام کے اعتبار سے تباہی و بربادی کا باعث قرار دیا گیا ہے۔

درحقیقت ناپ تول میں کمی کرنا لین دین میں خیانت کی ایک بدترین صورت ہے۔ اس کے بارے میں نہایت واضح ممانعتی حکم کے ذریعہ قرآن نے تجارت، بزنس یا لین دین کے ان تمام طریقوں کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر واضح کر دیا جن میں دھوکہ دھڑی، فریب، حقیقت پوشی اور عہد شکنی پائی جاتی ہے۔ اسی طرح قرآن نے سود، جوا، رشوت وغصب جیسے ان تمام ذرائع آمدنی کو ناجائز قرار دیا جن میں ضرورت مندوں کا استحصال، طاقت ومنصب کا ناجائز استعمال پایا جاتا ہے یا جو معاشرتی واخلاقی خرابیوں کو جنم دیتے ہیں اور معاش کے جائز ومفید ذرائع کو متاثر کرتے ہیں۔ یہ بخوبی معروف ہے کہ سود میں محتاجوں وضرورت مندوں کا استحصال ہے، قرآن کے حکمِ انفاق کی خلاف ورزی ہے، انسانی ہمدردی وبھلائی کے جذبہ کی نفی ہے۔ یہ دولت کے سمٹاؤ کا ذریعہ ہے اور اس سے روایتی معاشی اداروں کی سرگرمیوں پر بھی بہت برا اثر پڑتا ہے۔ قرآن کی نظر میں یہ سوچنا یا سمجھنا شیطانی وسوسہ یا حربہ ہے کہ سود تو ایک بزنس ہے یا خرید وفروخت کی ایک صورت ہے، اس میں کیا حرج ہے۔ یہ بات وہی شخص کہہ سکتا ہے جو شیطان کے اثر سے اپنے حوش وہواس کھو چکا ہے اور اس میں غلط وصحیح کی تمیز باقی نہیں رہی۔ جب کہ یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیع یا خرید وفروخت کو حلال قرار دیا ہے اور سود کی حرمت کا قطعی طور پر اعلان کیا ہے (البقرہ ر۲۷۵) جوا کے بارے میں بھی یہ ارشاد ہوا کہ یہ شیطانی اعمال میں سے ہے۔ لہٰذا ان سے دور رہو۔ قرآن کے حوالے سے یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے۔ اس لیے اس کے اشارہ پر چلنے میں بہرصورت انسان کی تباہی وناکامی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ٥ (المائدہ ر۹۰)

اے مومنو! شراب اور جوا اور آستانے اور پانسے یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے بچے رہو کہ تمہیں کامیابی نصیب ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مذکورہ آیت کے آخری حصہ نے یہ حقیقت بھی واضح کردی کہ ان برائیوں (جن میں جوا بھی شامل ہے) سے احتراز میں ہی انسان کے لیے خیر وفلاح ہے۔

آخر میں اس بات کی طرف اشارہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تجارت، خرید و فروخت، لین دین اور دوسرے مالی معاملات میں بددیانتی یا بدعنوانی کا ایک بہت بڑا ذریعہ جھوٹ ہوتا ہے۔ جھوٹ بول کر خریدار یا دوسرے اصحابِ معاملات کو فریب کا شکار بنایا جاتا ہے اور ان سے ناجائز طور پر مالی فائدہ حاصل کیا جاتا ہے۔ قرآن نے اس سے اجتناب کی سخت ہدایت دی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ (الحج ۳۰) اور بچے رہو جھوٹی بات سے۔

اس آیت میں ''زور'' سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ زور کے مفہوم میں جھوٹ بولنا، خلافِ واقعہ کوئی بات کہنا اور جھوٹی گواہی دینا سب کچھ شامل ہے۔ یہاں یہ واضح رہے کہ قرآن میں نیک بندوں کے اوصاف میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے (الفرقان ۷۲)

ان تمام تفصیلات سے یہ بخوبی واضح ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے جائز ذرائع آمدنی اختیار کرنے یعنی حلال کمائی پر خاص زور دیا ہے اور کسبِ مال کے ناجائز ذرائع اور حرام اموال کی نشاندہی کرکے مختلف پیرایہ میں ان سے بچنے کی تاکید کی ہے اور ان کے دنیوی واخروی دونوں نقصانات سے بھی باخبر کیا ہے۔ حرام مال کے استعمال کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ آمدنی یا مال سے برکت اٹھ جاتی ہے۔ اس سے جسمانی وذہنی صلاحیت متاثر ہوتی ہے اور اس مال سے اولاد کی پرورش پر اس کا برا اثر پڑتا ہے۔ ان سب کے علاوہ ایک بہت بڑی محرومی یہ ہاتھ آتی ہے کہ حرام مال استعمال کرنے والے کی دعا نہیں قبول ہوتی جیسا کہ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

''حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ لوگو اللہ پاک ہے اور پاک چیز ہی قبول کرتا ہے اور اللہ نے جس کام کا حکم پیغمبروں کو دیا تھا اسی کا حکم مومنوں کو دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں سے فرمایا ''تم سب پاک چیز کھاؤ اور تم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو کچھ کروگے میں اس سے واقف ہوں''۔ اور مومنوں سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''مومنو! ہم نے جو چیزیں تم کو عطا کی ہیں ان میں سے پاک چیزیں کھاؤ''۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس شخص کا ذکر کیا جس نے لمبا سفر اختیار کیا اور جس کے بال پریشاں وگرد آلود ہو رہے ہیں اور وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر کہہ رہا ہے: اے پروردگار، اے پروردگار (یعنی دعا مانگ رہا ہے)، لیکن حالت یہ ہے کہ اس کا کھانا بھی حرام، پینا بھی حرام ہے، لباس بھی حرام ہے اور غذا بھی حرام۔ پھر کیوں اس کی دعا قبول ہوسکتی ہے''۔ (صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، باب ان اسم الصدقۃ یقع علی کل نوع من المعروف)۔

قرآن کریم میں مال کھانے کے ساتھ ساتھ مال خرچ کرنے کے اصول وآداب بھی واضح کیے گئے ہیں۔ اس سلسلہ میں پہلی ہدایت یہ دی گئی ہے کہ مال بلاضرورت نہ خرچ کیا جائے یعنی فضول خرچی نہ کی جائے۔ اس سے اجتناب کی ہدایت اس تنبیہ کے ساتھ دی گئی کہ ایسا کرنے والوں کو اللہ ناپسند کرتا ہے۔ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ مال اللہ کی نعمت ہے اس کا بیجا استعمال اس نعمت کی ناشکری ہے اور انسانی حق تلفی بھی۔ اگر کوئی صاحبِ مال بلاضرورت اپنا مال خرچ کرتا ہے یا نمود ونمائش کی خاطر اپنی دولت لٹاتا ہے تو وہ اپنا نقصان کرتا ہے اور دوسروں کا بھی حق مارتا ہے اس لیے کہ اگر وہ فضول خرچی نہ کرتا تو اس کا مال بچتا جو اس کے اپنے یا اہل وعیال کے کام آتا اور اگر کارِ خیر میں خرچ کرتا تو دوسروں کا بھلا ہوتا اور اسے ثواب ملتا۔ اس طرح فضول خرچی کرنے والا بہر حال اپنے کو خسارہ میں ڈالتا ہے اور دوسروں کا بھی نقصان کرتا ہے اس ضمن میں قرآنی ہدایات ملاحظہ ہوں:

كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ (الاعراف/۳۱)	کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی نہ کرو بے شک وہ (اللہ) فضول خرچی کرنے والوں کو پسند بھی کرتا۔
وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ٥ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ ٥ (بنی اسرائیل/۲۶-۲۷)	(اور مال کو) بے جا نہ اڑاؤ بے شک مال کو بے جا خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان میں پہلی آیت اس لحاظ سے قابل غور ہے کہ جو چیزیں انسان کے بقا وتحفظ کے لیے ضروری ہیں ان کا استعمال نہ صرف مطلوب ہے بلکہ ان کا حکم دیا گیا ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ ہدایت دی گئی ہے کہ ان کو بلاضرورت بے دریغ نہ خرچ کیا جائے، اس لیے کہ یہ نعمت کا ضیاع ہے جسے اللہ پسند نہیں فرماتا بلکہ وہ چاہتا ہے کہ اس کی عطا کردہ نعمتیں صحیح طور پر استعمال ہوں۔ خود اپنے کام آئیں اور دوسروں کی ضرورتیں اس سے پوری ہوں۔ دوسری آیت کا یہ نکتہ لائق توجہ ہے کہ اس میں فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا گیا ہے اور اس کی یہ کیفیت بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنے رب کا ناشکرا ہے۔ گویا فضول خرچی اللہ کی ناشکری ہے اور ایسا کرنا شیطان کی راہ پر چلنا ہے۔ شیطان کبھی نہیں چاہتا کہ انسان کوئی ایسا کام کرے جس سے اس کا فائدہ ہو یا دوسروں کا بھلا ہو۔ وہ خود ناشکرا ہے اور انسان کو ناشکری پر ابھارتا ہے۔

یہاں یہ واضح رہے کہ قرآن فضول خرچی کی طرح بخل کے بھی سخت خلاف ہے۔ ضرورت کے باوجود مال نہ خرچ کرنا اور اسے روکے رکھنا بھی قرآن کی نظر میں ایک نہایت ناپسندیدہ عمل ہے۔ اس سے بھی اللہ کی ناشکری ہوتی ہے اور دوسروں کا حق مارا جاتا ہے۔ بخل کرنے والا نہ تو اپنے اوپر مال خرچ کرتا ہے اور نہ گھر والوں پر۔ وہ نیک کاموں میں مال خرچ کرنے سے بھی ہاتھ روکے رکھتا ہے۔ اس طرح وہ اپنے کو خسارہ میں ڈالتا ہے اور کار خیر کے ثواب سے بھی محروم رہتا ہے۔ دراصل اسلام اعتدال کی راہ پسند کرتا ہے۔ نہ تو وہ صاحب مال سے یہ چاہتا ہے کہ وہ سب کچھ لٹا دے یا دوسروں کو دے ڈالے اور وہ خود آخر میں محتاج و درماندہ بن کر رہ جائے اور نہ ہی اس کی نظر میں یہ بات پسندیدہ ہے کہ انسان مال خرچ کرنے سے ہاتھ کو اس طرح روکے کہ خود اپنی ضرورت بھی نہ پوری کر سکے اس سلسلہ میں اللہ کی ہدایت یہ ہے:

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ۝ (بنی اسرائیل/۲۹)

اور نہ اپنے ہاتھ کو گردن میں باندھے رکھو (کہ کسی کو کچھ دو ہی نہ) اور نہ اسے بالکل کھلا چھوڑ دو (کہ سب کچھ دے ڈالو) اور ملامت زدہ و عاجز بن کر رہ جاؤ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن کی نظر میں اللہ کے نیک بندوں کی روش یہ ہے:

وَالَّذِيْنَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَاماً ٥ (الفرقان/٦٧)

اور جب وہ خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ تنگی وبخل سے کام لیتے ہیں بلکہ ان کے درمیان بیچ کی راہ اختیار کرتے ہیں۔

بعض اوقات بخیل یہ سوچتے ہیں کہ اگر مال خرچ کرنے کے بجائے اسے بچائیں گے اور اسے جمع رکھیں گے تو یہ ان کے لیے فائدہ مند ثابت ہوگا۔ قرآن نے اس سوچ کو غلط قرار دیا ہے۔ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ جو مال نہ اپنے کام آئے اور نہ دوسروں کے۔ اس میں کیا خیر ہوسکتا ہے۔ دوسرے بخل سے وہ مقصد نہیں پورا ہوتا ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے مال کی یہ نعمت عطا کی ہے۔ تیسرے آخرت میں بخل کا جو خمیازہ بھگتنا پڑے گا وہ ان سب کے علاوہ ہے اور قرآن کی رو سے وہ بڑا تکلیف دہ ہوگا جیسا کہ اس آیت سے اشارہ ملتا ہے:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِن فَضْلِهِ هُوَ خَيْراً لَّهُم بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ٥ (آل عمران/١٨٠)

اور جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل وکرم سے نوازا ہے اور پھر وہ بخل سے کام لیتے ہیں وہ اس خیال میں نہ رہیں کہ بخل میں ان کے لیے خیر ہے یہ ان کے حق میں بری شئ ہے۔ اللہ ہی کے لیے آسمان وزمین کی میراث ہے اور اللہ ان تمام اعمال سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔

آیت کے آخری حصہ میں یہ حقیقت ذہن نشین کرائی گئی ہے کہ زمین وآسمان کے سارے خزانے اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اس کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں جب بندہ اللہ کے حکم کے مطابق اپنا مال خرچ کرے گا تو وہ اسے اور عطا کرے گا اور اس کے بچے ہوئے مال میں برکت دے گا۔ مقصد یہ کہ صاحب مال کے لیے خیر وفلاح حکمِ الٰہی کے مطابق مال خرچ کرنے میں ہے نہ کہ اسے روکنے یا جمع کرنے میں۔ یہ آیت اسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حقیقت کی ترجمان ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَأَنفِقُوا خَيْراً لِّأَنفُسِكُمْ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ○ (التغابن/۱۶-۱۷)

او رسنو وفرماں برداری بجالاؤ اور [اپنے مال کو نیک کاموں میں] خرچ کرو۔ یہ تمہارے لیے باعث خیر ہے اور جولوگ اپنے نفس کے بخل سے بچالیے گئے وہی کامیاب ہیں۔

انفاق کے بارے میں قرآن کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ اس سے مقصود صرف رضائے الٰہی ہو۔ مال اللہ رب العزت کے فضل وکرم سے ملتا ہے۔ یہ اس کی ربوبیت ورزاقیت کا فیض ہے اس لیے اسے اسی کے حکم کے مطابق اور اسی کی رضا کے لیے خرچ کیا جائے۔ درحقیقت اجر کثیر کا استحقاق اخلاصِ نیت پر منحصر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَا آتَيْتُم مِّن زَكَوٰةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ ○ (الروم/۳۹)

اور جو زکوۃ تم لوگ دیتے ہو اللہ کی رضا چاہتے ہوئے تو یہی لوگ ہیں جو (اللہ کے یہاں) اپنے مال کو بڑھانے والے ہیں۔

وَمَا تُنفِقُواْ مِنْ خَيْرٍ فَلأنفُسِكُمْ وَمَا تُنفِقُونَ إِلاَّ ابْتِغَاء وَجْهِ اللّهِ وَمَا تُنفِقُواْ مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لاَ تُظْلَمُونَ ○ (البقرہ/۲۷۲)

جو مال بھی خرچ کروگے وہ تمہارے لیے بہتر ہوگا اور نہ خرچ کرو مگر اللہ کی خوشنودی کے لیے اور جو مال بھی خرچ کروگے وہ تم کو پورا کردیا جائے اور تمہارے حق میں ذرا بھی کمی نہیں کی جائے گی۔

ایک آیت میں اہل ایمان کی یہ روش بیان کی گئی ہے کہ وہ محض رضاء الٰہی کی طلب میں غرباء ومساکین کی مدد کرتے ہیں اور وہ ان سے کسی بدلہ کے طلب گار نہیں ہوتے۔ متعلقہ آیت ملاحظہ ہو:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِيناً وَيَتِيماً وَأَسِيراً ○ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُوراً ○ (الدہر/۸-۹)

اور وہ اللہ کی محبت میں مسکینوں، یتیموں و قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں (اور کہتے ہیں) ہم تمہیں محض اللہ کی خوشنودی کے لیے کھلاتے ہیں نہ تم سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ چاہتے ہیں کہ تم ہماری شکر گزاری کرو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان تمام آیات سے یہی قرآنی نکتہ سامنے آتا ہے کہ اللہ رب العزت کے نزدیک اسی انفاق (یا نیک کام کے لیے مال خرچ کرنے) کی قدر و قیمت ہے جس سے صرف رضائے الٰہی مقصود ہو اور کوئی دنیوی غرض وابستہ نہ ہو۔

اسی ضمن میں انفاق سے متعلق قرآن کی اس تعلیم کا ذکر بھی برمحل معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ریا و نمود کا شائبہ نہ ہو یعنی مال خرچ کر کے نمائش یا شہرت مقصود نہ ہو۔ قرآن کی رو سے وہ لوگ اللہ کی نگاہ میں انتہائی ناپسندیدہ ہیں جو ریا و نمود کے لیے انفاق کرتے ہیں۔ یہ لوگ دراصل شیطان کی رفاقت کا ثبوت دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلاَ يُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَلاَ بِالْيَوْمِ الآخِرِ وَمَن يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِيْناً فَسَاءَ قِرِيْناً (النساء/۳۸)

اور وہ لوگ بھی (اللہ کو ناپسند ہیں) جو اپنے مال محض لوگوں کو دکھاوے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور آخر میں یہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ روز آخر پر۔ شیطان جس کا رفیق ہوا اسے بہت بری رفاقت میسر ہوئی۔

آیت کا آخری حصہ اس لحاظ سے قابل غور ہے کہ اسراف کی طرح ریا و نمود کو بھی شیطان سے قربت کا شاخسانہ قرار دیا گیا ہے اس لیے کہ شیطان (جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا) کبھی نہیں جانتا کہ انسان نیک کام کرے اور وہ مقبول ہو اس لیے وہ اسے دکھاوے کے کام پر بھی ابھارتا ہے جو اسے انجام کے اعتبار سے غارت کر دیتا ہے۔ ایک دوسری آیت سے یہ صاف واضح ہوتا ہے کہ دکھاوے کے لیے خرچ کرنا انفاق کے عمل یا صدقہ و خیرات کو ضایع کر دیتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ لاَ تُبْطِلُواْ صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالأذَى كَالَّذِي يُنفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلاَ يُؤْمِنُ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ (البقرہ/۲۶۴)

اے ایمان والو اپنے صدقات احسان جتا کر و تکلیف دے کے ضائع نہ کرو اس شخص کی طرح جو اپنا مال صرف لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ یوم آخر پر۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ احسان جتانے اور ایذا رسانی کے علاوہ ریا و نمود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے بھی صدقہ وخیرات کا اجر ضائع ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم کے مطابق انفاق کے اصول و آداب میں یہ بھی ہے کہ اچھا مال خرچ کیا جائے یعنی کسی کو نقد کی صورت میں مدد کرنی ہو تو اسے کھوٹے سکے یا کٹے پھٹے نوٹ نہ دیے جائیں یا کسی کو کوئی چیز دینی ہو تو ایسی چیز نہ دی جائے جو بالکل پرانی ہو چکی ہو اور استعمال کے قابل بھی نہیں ہے۔ اس ضمن میں قرآن کی واضح ہدایت یہ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنفِقُوْنَ وَلَسْتُم بِآخِذِيْهِ إِلَّا أَن تُغْمِضُوا فِيْهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ (البقرہ/۲۶۷)

اے مومنو! جو مال تم نے کمائے ہیں اور جو کچھ ہم نے زمین سے تمہارے لیے نکالا ہے اس میں سے اچھی اور پاک چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اس میں سے خراب چیز کا (دینے کے لیے) قصد نہ کرو (کہ وہی چیز اگر تمہیں دی جائے) تو تم اس کے لینے والے نہ ہو بلکہ اس سے اعراض کرو، اللہ بے نیاز ہے اور ہر حال میں قابل تعریف ہے۔

اس آیت میں طیب مال خرچ کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ طیب سے مراد (جیسا کہ پہلے واضح کیا جا چکا ہے) وہ مال ہے جو جائز ذریعہ سے حاصل کیا گیا ہے اور وہ مال بجائے خود پاک و اچھا ہو۔ یعنی گھٹیا و بے وقعت نہ ہو۔ قرآن نے یہ کہہ کر اس ہدایت کو اور موثر بنا دیا کہ ایسی خراب چیز کسی غریب یا ضرورت مند کو نہ دی جائے کہ اگر وہی چیز اسے دی جائے تو وہ اسے پسند نہ کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ عمدہ مال یا اچھی چیز انسان کو محبوب ہوتی ہے اسے اپنے سے جدا کرنے یا دوسروں کو دینے میں سخت آزمائش ہوتی ہے۔ اسی لیے اس عمل کو نیکی کا اعلیٰ مقام قرار دیا گیا ہے کہ کوئی اپنا محبوب مال اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔ ارشاد ربانی ہے:

لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّوْن (آل عمران/۹۲)

تم نیکی (کے اعلیٰ مقام) کو ہرگز نہیں پہنچ سکو گے جب تک وہ چیزیں (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کرو جو تمہیں عزیز ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک حدیث سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے۔

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال اتی رسول الله ﷺ فقال یا رسول الله ای الصدقة اعظم فقال ان تصدق وانت صحیح شحیح، تخشی الفقر وتامل الغنی (صحیح مسلم: کتاب الزکوٰة باب بیان افضل الصدقة صدقة الصحیح الشحیح)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور پوچھا کہ یا رسول اللہ کون سا صدقہ (اجر کے لحاظ سے) سب سے بڑا ہے جواب میں فرمایا کہ وہ صدقہ جو تم اس حال میں کرو کہ تم تندرست ہو۔ بخل تم پر غالب ہو۔ افلاس کا اندیشہ ہو اور دولت مندی کی خواہش ہو۔

ظاہر ہے کہ انسان اس چیز کا حریص یا خواہش مند ہوتا ہے جو پسندیدہ ہوتی ہے اور اچھی لگتی ہے۔

انفاق کے باب میں قرآن کی یہ ہدایت بھی بہت اہم ہے کہ کسی پر صدقہ وخیرات کر کے یا کسی محتاج کی مدد کر کے اس پر احسان نہ جتایا جائے اور نہ ہی اسے ستایا جائے۔ اس آیت کی تشریح وترجمانی اوپر گزر چکی ہے کہ اے ایمان والو اپنے صدقات احسان جتا کر اور تکلیف دے کر خاک میں نہ ڈالو۔ دراصل احسان یا ایذا رسانی محتاجوں کی تحقیر اور غرباء کے عزتِ نفس کی پامالی ہے جس کی اسلام کبھی اجازت نہیں دیتا وہ تو اس بات کو بھی گوارا نہیں کرتا کہ کسی سائل کو جھڑکا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا صاف صاف حکم ہے:

وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ (الضحیٰ/۱۰)

اور مانگنے والے کو جھڑکو نہیں۔

قرآن کی یہ تعلیم ہے کہ ڈانٹنے وجھڑکنے کے بجائے ان سے بھلی بات کہی جائے اور اگر انہیں کچھ نہ دینا ہو تو خوش اسلوبی سے ان سے کنارہ کشی اختیار کی جائے۔ اس آیت سے یہی سبق ملتا ہے۔

قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّن صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا أَذًى وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ ۝ (البقرہ/۲۶۳)

بھلی بات کہنا اور درگذر کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے تکلیف ہو اللہ بے نیاز اور بردبار ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن کریم نے محتاجوں وناداروں کے باب میں نرم روی، کشادہ دلی واعلیٰ ظرفی کو کس قدر اہمیت دی ہے اس کا اندازہ اس کی اس ہدایت سے لگایا جاسکتا ہے کہ اہل ثروت کسی حاجت مند کی مدد اس وجہ سے نہ ترک کردیں کہ اس سے کوئی نازیبا حرکت صادر ہو جائے یا اس کی کوئی بات ناگوار خاطر ہو جائے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ٥ (النور/۲۲)

اور تم میں جو صاحب فضل و وسعت ہوں وہ اس بات کی قسم نہ کھا بیٹھیں کہ اپنے رشتہ دار، مسکین اور مہاجر فی سبیل اللہ کی مدد نہ کریں گے انہیں معاف کر دینا چاہیے اور درگذر کرنا چاہیے کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے اور اللہ غفور رحیم ہے۔

بعض مفسرین نے ایک خاص واقعہ کے پس منظر میں اس آیت کی جو تشریح کی ہے اس سے یہ نکتہ سامنے آتا ہے کہ اگر کوئی مالدار کسی ضرورت مند کی مدد کرتا رہا ہے اور پھر وہ موخر الذکر سے کسی بات پر ناراض ہو جائے تو بھی انسانی ہمدردی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس کی مدد جاری رکھے اور اس شخص سے ناراضگی کی وجہ سے اپنا ہاتھ نہ روک لے بلکہ ایسے موقع پر عفو و درگذر سے کام لے۔ قرآن نے آیت کے آخر میں کس موثر انداز میں معاف کر دینے کی تعلیم دی ہے وہ بھی قابل توجہ ہے۔ یعنی جس طرح ہر شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی خطاؤں کو بخش دے اسی طرح انسان کو چاہیے کہ وہ دوسرے انسان کی غلطی معاف کرنے میں اعلیٰ ظرفی سے کام لے۔

محتاجوں کے سلسلہ میں ہمدردانہ وفراخدلانہ رویہ اختیار کرنے کی ہدایت اس آیت سے بھی ملتی ہے جس میں مقروض سے متعلق اہل ثروت کو ہدایت دی گئی ہے۔ مقروض بھی بہر حال ضرورت مند ہوتے ہیں۔ اس ہدایت کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر مقروض تنگ دستی کی وجہ سے قرض کی ادائیگی سے قاصر ہیں اور اس کے لیے کچھ مہلت چاہتے ہیں تو قرض دینے والے کو چاہیے کہ وہ انہیں مہلت دے دیں اگر وہ انہیں بالکل معاف کر دیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو یہ ان کے حق میں مزید بہتر ہوگا۔ متعلقہ آیت ملاحظہ کریں۔

وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ وَأَن تَصَدَّقُواْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ○ (البقرہ/۲۸۰)

اور اگر مقروض تنگ دست ہوں تو گنجائش ہونے تک انہیں مہلت دو اور اگر مقروض کو (بالکل) بخش دو تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے اگر تم اس حقیقت کو سمجھنے والے ہو جاؤ۔

آیت کا آخری حصہ دل و دماغ کو اپیل کرنے والا اور خیر کی راہ میں مسابقت کی دعوت دینے والا ہے۔

انفاق یا بھلائی کے کاموں میں مال خرچ کرنے کے اصول و آداب بیان کرنے کے علاوہ قرآن نے مختلف آیات میں ان افراد کی نشاندہی کی ہے جو ایک شخص کے مال میں اپنا حق رکھتے ہیں یا جن پر مال خرچ کرنا قرآن کی نظر میں مطلوب ہے۔ قرآن کی متعلقہ آیات پر نظر ڈالنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ صاحبِ مال کے مال میں سب سے پہلے والدین، گھر والے اور رشتہ دار اپنا حق رکھتے ہیں۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

قُلْ مَا أَنفَقْتُم مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ○ (البقرہ/۲۱۵)

کہہ دیجئے جو مال بھی تم خرچ کرو اس کے مستحق [درجہ بدرجہ تا] ماں باپ اور رشتہ دار ہیں، پھر یتیم، مسکین اور مسافر ہیں۔

اس کے علاوہ متعدد آیات (بقرہ/۸۳، النساء/۳۶، الانعام/۱۵۱، العنکبوت/۸، بنی اسرائیل/۲۳، احقاف/۱۵) میں والدین کے ساتھ احسان (بھلائی کرنے) کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُواْ إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ○ (بنی اسرائیل/۲۳)

اور تمہارے پروردگار نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ احسان کا معاملہ کرو۔

لفظ احسان کے مفہوم میں نیک برتاؤ، خوش گفتاری، دیکھ ریکھ، جسمانی مدد اور مالی اعانت سب کچھ شامل ہے۔ دوسری بات قابل توجہ یہ ہے کہ اس نوع کی مختلف آیات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے حکم کے فوراً بعد والدین کے ساتھ نیک سلوک کی ہدایت دی ہے۔ اس سے ان کے مقام ومرتبہ کی بلندی ثابت ہوتی ہے کہ انسانوں میں سب سے پہلے اور سب سے زیادہ والدین اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کی دیکھ ریکھ پر مال خرچ کیا جائے۔

والدین کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے انسان کو ان کے بارے میں وصیت کی (ووصینا الانسان بوالدیه ۔لقمان/۱۴) اسی طرح اولاد کے بارے میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو ان کے بارے میں وصیت کرتا ہے (یوصیکم الله فی اولادکم / النساء/۱۱) اور پھر ان کے حقوق بیان کیے گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وصیت یا نصیحت کا تعلق ان کے ساتھ نیک برتاؤ، خوش معاملگی اور ان کی نگہ داشت سے ہے اور اس میں بجا طور پر ان پر مال خرچ کرنا بھی شامل ہے۔ اسی طرح اللہ رب العزت نے انسان کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کریں۔ ہم انہیں بھی روزی دیتے ہیں اور تمہیں بھی (بنی اسرائیل/۳۱)۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اولاد کی کفالت والد کی ذمہ داریوں میں سے ہے۔

بیویوں کے حقوق کے سلسلہ میں قرآن نے شوہروں کو اصولی طور پر یہ یاد دلایا کہ عورتوں کا حق مردوں پر ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق مردوں کا حق عورتوں پر ہے۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ٥ (البقرہ/۲۲۸)	اور ان عورتوں کے لیے دستور کے مطابق اسی طرح حقوق ہیں جس طرح دستور کے مطابق ان پر ذمہ داریاں ہیں۔

عورتوں کے حقوق میں ان کے مالی حقوق سر فہرست ہیں۔ یہ بات بخوبی معروف ہے کہ شوہر پر بیوی کی کفالت فرض ہے یعنی شوہر اپنے وسائل سے بیوی کی رہائش، کھانے پینے اور لباس وغیرہ کا نظم کرے۔ یہ نکتہ اس آیت سے مزید واضح ہوتا ہے جس میں عورت پر مرد کی فضیلت کی ایک وجہ واضح طور پر یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنا مال عورت پر خرچ کرتے ہیں، ارشاد خداوندی ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُواْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ ٥ (النساء/۳۴)

مرد عورت کے نگراں ومحافظ ہیں اس لیے کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس لیے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔

عورتوں کے جو مالی حقوق مرد پر عائد ہوتے ہیں ان میں حق مہر کو خاص اہمیت حاصل ہے۔فرمان الٰہی ہے:

وَآتُواْ النَّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً (النساء/۴)

اور عورتوں کے مہر خوشی خوشی ادا کرو۔

اس آیت میں لفظ ''نحلۃ'' (خوشی خوشی) معنی خیز ہے۔اس سے شوہروں کے ذہن میں یہ حقیقت جاگزیں کرنا مقصود ہے کہ مہر کی ادائیگی کو بوجھ نہ سمجھیں بلکہ اس احساس کے ساتھ ادا کریں کہ یہ بیوی کے مسلمہ حق کی ادائیگی یا ایک اہم فریضہ کی بجا آوری ہے۔ظاہر ہے کہ جب یہ احساس ہوگا تو شوہر کو فطری طور پر خوشی ہوگی کہ وہ ایک فریضہ سے سبک دوش ہوگیا اور یہ سوچ کر بھی اسے خوشی ہوگی کہ یہ کسی اور کی نہیں بلکہ اس کے حق کی ادائیگی ہے جس کے ساتھ زندگی بھر رہنا ہے۔

جہاں تک اقرباء کے مالی حقوق کا تعلق ہے قرآن کی مذکورہ بالا آیت (البقرہ/۲۱۵) میں والدین کے بعد انہیں کو مال کا حقدار قرار دیا گیا ہے۔ایک دوسری آیت میں حسنِ سلوک کی تاکید کے ضمن میں والدین کے بعد رشتہ داروں کا ذکر ہے (النساء/۳۶)۔سورہ النحل کی ایک آیت میں لوگوں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنے کی عمومی ہدایت کے بعد اللہ تعالیٰ نے خاص طور سے رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کی تلقین کی۔ارشاد ربانی ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَى (النحل/۹۰)

بے شک اللہ تعالیٰ انصاف وحسن سلوک اور اقرباء کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیتا ہے۔

ایک جگہ براہ راست خطاب کرتے ہوئے یہ حکم دیا:

وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ (بنی اسرائیل/۲۶)

اور رشتہ دار، غریب اور مسافر (ہر ایک) کو اس کا حق دیتے رہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متعدد آیات میں رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کی تاکید کی گئی ہے۔ ان میں ان کا مالی حق مقدم ہے خاص طور سے ان اقرباء کے سلسلہ میں جن کی مالی حالت اچھی نہیں ہے اور وہ اعانت کے مستحق ہیں قرآن وحدیث دونوں میں صلہ رحمی پر خاص زور دیا گیا ہے رشتوں کو جوڑنے و مضبوط کرنے کا ایک اہم ذریعہ یہ ہے کہ رشتہ داروں میں جو غریب و محتاج ہوں ان کی ہر ممکن مدد کی جائے اور اپنے مال میں انہیں شریک کیا جائے واقعہ یہ ہے کہ والدین و گھر والوں کے بعد رشتہ دار ہی سب سے زیادہ قریبی ہوتے ہیں۔ وہ خوشی و غم میں شریک رہتے ہیں اور ضرورت پر کام آتے ہیں اس لیے وہ خاص طور سے اس کے مستحق ہیں کہ ان کے ساتھ ہمدردی کا رویہ اختیار کیا جائے اور ضرورت پڑنے پر ان کی مالی اعانت میں فراخدلی کا مظاہرہ کیا جائے۔

مزید برآں قرآن کریم میں ترکہ کی تقسیم کے وقت بھی اقرباء کا خیال رکھنے کی ہدایت دی گئی ہے اس ضمن میں خاص طور سے ان اقرباء کا ذکر کیا گیا ہے جو شرعی نقطہ نظر سے وراثت کے حقدار نہیں ہوتے، انہیں ترکہ میں سے کچھ دینے کی تعلیم دی گئی ہے۔

قرآن کی اس آیت سے یہی درس ملتا ہے:

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُوْلُواْ الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُواْ لَهُمْ قَوْلاً مَّعْرُوفاً (النساء/۸)	اور جب تقسیم کے وقت (وراثت سے محروم) رشتہ دار، یتیم و مسکین آئیں تو اس میں سے ان کو بھی کچھ دے دو اور ان سے خوش اسلوبی سے کلام کرو۔

آیت کے آخری حصہ میں پھر یہ قیمتی سبق یاد دلایا گیا ہے کہ وراثت سے محروم اقرباء اور دوسرے حاجت مند لوگ تقسیم ترکہ کے وقت حاضر ہوں تو ان پر ناگواری نہ ظاہر کی جائے اور نہ زجر و توبیخ کی جائے بلکہ ان سے خوش کلامی کا مظاہرہ کیا جائے اور گر کسی وجہ سے انہیں ترکہ میں سے کچھ دینے کی گنجائش نہ ہو تو بھی ان سے بھلی بات کہی جائے۔

یہاں یہ وضاحت مناسب و برمحل معلوم ہوتی ہے کہ والدین، اہل خاندان اور اعزہ و اقرباء کے مالی حقوق کے سلسلہ میں ان کا حق وراثت بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے، اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی ادائیگی کی طرف قرآن نے بار بار توجہ دلائی۔ اس حق کی ادائیگی اس وجہ سے بھی اہمیت رکھتی ہے کہ اس کی ادائیگی کے سلسلہ میں غفلت وکوتاہی عام ہے۔ دوسرے یہ بات محتاج تفصیل نہیں کہ کمزور وارثین کے حقوق کی پامالی کے واقعات زیادہ پیش آتے ہیں۔ قرآنی آیات میں اس بات پر زور ملتا ہے کہ ترکہ میں جس کسی کا بھی حق ثابت ہے اس کی ادائیگی کا اہتمام کیا جائے اور اس ضابطہ کے مطابق ادا کیا جائے جو اللہ نے مقرر کیا ہے۔ یہاں یہ ذکر اہمیت سے خالی نہ ہوگا کہ میت کے ترکہ میں وارثین کے حق یا حصہ کے بیان میں دو لفظ (نصیباً مفروضا/ فریضۃً من اللہ) استعمال کیے گئے ہیں جو خاص طور سے قابل غور ہیں۔ ان الفاظ سے دو باتیں ذہن نشین کرانی مقصود ہیں۔ اول یہ کہ قرآن میں ورثہ کا جو کچھ حصہ بیان کیا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ ہے، دوسرے یہ کہ اس کی ادائیگی فرض ہے۔ یعنی ترکہ میں حصہ متعین کرتے وقت نہ تو کسی کی من مانی چلے گی اور نہ اس کی ادائیگی میں تساہلی روا ہوگی۔

وراثت میں حصہ داروں کے حق کے سلسلہ میں قرآن کی بنیادی آیت یہ ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا (النساء/۷)	مردوں کا اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا اور عورتوں کا بھی اسی مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا خواہ تھوڑا ہو یا بہت یہ اللہ کے مقرر کردہ حصے ہیں۔

اس آیت میں ایک اصولی بات یہ واضح کی گئی ہے کہ ترکہ میں عورتوں و مردوں دونوں کا حصہ ہے۔ والدین کے علاوہ رشتہ دار بھی اس کے حق دار ہیں، دوسرے اس حق کی ادائیگی کے وقت یہ بات ذہن میں رہے کہ ورثہ کے ساتھ یہ کوئی احسان نہیں ہے بلکہ یہ ان کا حق تھا جو انہیں دیا جا رہا ہے۔ دوسرے ہر وارث کا جو حصہ مقرر ہے وہ ذات علیم، خبیر و حکیم کے علم و حکمت پر مبنی ہے۔ اسی کے مطابق وراثت کی تقسیم میں خیر و برکت ہے۔ اللہ رب العزت ہی کو اس بات کا صحیح صحیح علم ہے کہ کون وارث مورث سے زیادہ قربت رکھتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اور کون کتنے میراث کا مستحق ہے اور کس کو کتنا دینا نفع بخش رہے گا۔

آیت کے آخری حصہ میں اس نکتہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ ترکہ تھوڑا ہو یا زیادہ اس کی ضابطہ کے مطابق تقسیم کو یقینی بنایا جائے۔ یہ تاکید اس صورتحال میں زیادہ اہمیت رکھتی ہے کہ جب میت کا چھوڑا ہوا مال تھوڑا یا معمولی ہوتا ہے تو اس کی تقسیم سے غفلت برتی جاتی ہے۔ اس طرح تقسیمِ وراثت کے بعد کسی کے حصہ میں بہت کم مال آرہا ہے تو اسے یونہی چھوڑ دیا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر ترکہ میں دوسو روپیہ تقسیم ہونا ہے یا بیس ہزار، تقسیم کے لیے اہتمام میں دونوں برابر ہیں۔ اس طرح کسی کے حصہ میں پانچ روپیہ آتا ہے یا پانچ سو۔ ادائیگی کی فرضیت کے لحاظ سے دونوں میں کوئی فرق نہیں روا رکھا جاسکتا۔

اوپر قرآن کریم کے حوالہ سے والدین، اہل خانہ واقرباء کے مالی حقوق واضح کیے گئے۔ ان سب کے علاوہ معاشرہ کے ایک اور طبقہ کے افراد جن کے مالی حقوق قرآن میں بڑی تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں وہ یتامیٰ ہیں۔ یہ سماج کے انتہائی کمزور طبقات میں شمار ہوتے ہیں اور مالی حقوق کی پامالی کے زیادہ شکار ہوتے ہیں۔ لوگ بڑی آسانی سے ان کے مال واسباب کو غصب کر لیتے ہیں اور انہیں حق وراثت سے بھی محروم کردیتے ہیں بعض اوقات خود ان کے ولی یا سرپرست بن کر نگرانی کے بہانے ان کے مال و جائداد میں خرد برد کرتے ہیں اور انتہائی بددیانتی کا ثبوت دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس گھر میں کوئی یتیم ہوتا ہے سب سے پہلے اس گھر کے لوگوں بالخصوص ولی یا سرپرست کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اس کی دیکھ ریکھ کریں اور اس کے حقوق کا تحفظ کریں اور پھر پورا معاشرہ اس بات کا ذمہ دار ہوتا ہے کہ وہ اجتماعی طور پر یتیموں کے حقوق کے تحفظ کو یقینی بنائے اور اس کی حق تلفی کرنے والوں کو اس سے باز رکھے۔ قرآن کی جن آیات میں یتامیٰ کے ساتھ حسن سلوک یا ان کے حقوق کا ذکر ہے ان میں سے بیشتر کا تعلق مالی حقوق سے ہے۔

یتامیٰ کو بھی ان افراد میں شامل کیا گیا ہے جن کے ساتھ حسن سلوک کی خاص تاکید کی گئی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً وَبِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى (النساء/۳۶)

والدین، اقرباء اور یتیموں کے ساتھ نیک برتاؤ کرو۔

ایک آیت (البقرہ/۲۱۵) میں والدین و اقرباء کے ساتھ یتامیٰ کو بھی اس بات کا زیادہ مستحق قرار دیا گیا ہے کہ ان پر مال خرچ کیا جائے۔ یتیموں کے مالی حقوق کی پاسبانی کے تئیں قرآن کس درجہ حساس ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کو یہ بھی گوارا نہیں کہ کوئی ان کے مال کے قریب غلط نیت سے جائے، ان کے مال میں اپنا مال ملا کر اس کا ناجائز فائدہ اٹھائے یا اپنے خراب مال کو ان کے اچھے مال سے بدل لے۔ متعلقہ آیات ملاحظہ ہوں:

وَلا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّى يَبْلُغَ أَشُدَّهُ (الانعام/۱۵۲)

اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ پھٹکو مگر ایسے طریقہ سے جو بہتر ہو یہاں تک کہ وہ سن شعور کو پہنچ جائیں۔

وَآتُوا الْيَتَامَى أَمْوَالَهُمْ وَلا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ (النساء/۲)

اور یتیموں کو ان کے مال دو اور ان کے اچھے مال اپنے خراب مال سے نہ بدلو۔

اس سے پہلے قرآن کی یہ ہدایت گذر چکی ہے کہ جب ترکہ کی تقسیم کے وقت اقرباء، یتامیٰ و مساکین (جو ترکہ کے حقدار نہیں ہیں) کچھ طلب کے ساتھ حاضر ہوں تو ان کی امید پوری کی جائے اور ان سے بھلی بات کہی جائے (النساء/۸) یعنی اگر انہیں کچھ نہ بھی دینا ہو تو ان کے ساتھ سخت کلامی نہ کی جائے۔ ایک جگہ تو بہت صاف لفظوں میں انہیں ڈانٹنے وجھڑکنے سے منع کیا گیا ہے۔ فرمان الٰہی ہے۔

فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلا تَقْهَرْ (الضحیٰ/۹)

اور یتیم کو جھڑکو نہیں۔

مزید براں قرآن نے یتیموں کے مالی حقوق کی ادائیگی کی تاکید کرتے ہوئے اس پہلو سے بھی لوگوں کو متنبہ کیا ہے کہ ان کے حقوق سے انہیں محروم کرنا آخرت میں بہت بڑے خسارہ کا باعث ہوگا اور اور اس کی سخت سزا بھگتنی پڑے گی جیسا کہ اس آیت سے واضح ہوتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْماً إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَاراً وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيراً (النساء/۱۰)

اور جو لوگ ظلم و زیادتی کے ذریعہ یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتے ہیں اور وہ جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے۔

مختصر یہ کہ یتامیٰ بہر حال حسن سلوک، ہمدردی و مالی اعانت کے مستحق ہیں۔ ان کے ساتھ وہی طرز عمل اختیار کیا جائے جو ان کے حق میں بہتر ہو خاص طور سے ان کے مالی معاملات میں بڑی احتیاط و دیانت داری برتنے کی ضرورت ہے اس لئے کہ اس پر ان کا گذر بسر یا معاشی زندگی کی خوشگواری منحصر ہوتی ہے۔

یتیموں کے سلسلہ میں قرآن کا یہ اندازِ ناصحانہ بڑا دلنشیں ہے کہ کوئی شخص اسے نہیں پسند کرے گا کہ اس کی وفات کے بعد کوئی اس کے بچوں کے ساتھ زیادتی کرے یا برا سلوک کرے اسی طرح یہ سوچنا چاہئے کہ یتیم بھی کسی کے بچے ہیں لہٰذا مناسب یہی ہے کہ ان کے ساتھ نرمی، ہمدردی و بھلائی کا رویہ اختیار کیا جائے۔ جیسا کہ ہر شخص چاہتا ہے کہ اس کے بچوں کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا جائے۔ (النساء/۹)

ایک حدیث میں بھی بڑے مؤثر انداز میں یتیموں کے ساتھ حسن سلوک و حسن معاملہ کی فضیلت اجاگر کی گئی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں میں وہ گھر سب سے بہتر ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ نیک برتاؤ کیا جائے اور وہ گھر سب سے برا ہے جس میں یتیم کے ساتھ برا برتاؤ کیا جائے۔ (سنن ابن ماجه، كتاب الادب، باب حق اليتيم)

مالی معاملات میں ایک اور مسئلہ جو بہت اہمیت رکھتا ہے وہ عہد و پیمان یا قول و قرار کی پابندی کا ہے۔ تجارت، خرید و فروخت، قرض و رہن اور لین دین کے مختلف معاملات میں ایک شخص دوسرے سے کوئی عہد و پیمان یا وعدہ کرتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ وعدہ یا قول و قرار پورا ہونے پر لین دین کے معاملات خوش اسلوبی سے انجام پاتے ہیں اور تعلقات خوشگوار رہتے ہیں۔ وعدہ خلافی یا عہد شکنی کی صورت میں اختلاف و نزاع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیدا ہوتا ہے، تعلقات خراب ہوتے ہیں، جھگڑا لڑائی کی نوبت بھی آجاتی ہے۔ ان سب سے تجارت کا نقصان ہوتا ہے اور لین دین کے معاملات متاثر ہوتے ہیں۔

قرآن کریم میں روزمرہ زندگی میں قول وقرار کی پابندی اور وعدہ پورا کرنے پر خاص زور دیا ہے ان ہدایات وتعلیمات کا اطلاق بجا طور پر مالی معاملات پر بھی ہوتا ہے اور بعض آیات کے سیاق وسباق سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کا تعلق لین دین کے معاملات سے ہے۔ قول وقرار کی اہمیت واضح کرتے ہوئے قرآن نے یہ متنبہ کیا ہے کہ قیامت میں اس کے بارے میں باز پرس ہوگی، دوسرے یہ حقیقت آشکارا کی ہے کہ ایفاءِ عہد مومن کی شناخت ہے۔ فرمان الٰہی ہے۔

وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا (بنی اسرائیل/۳۴) — اور تم لوگ عہد پورا کرو بے شک عہد کے بارے میں جواب دہی کرنی ہوگی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ (المائدہ/۱) — اے مومنو! عہد و پیمان پورا کرو۔

پہلی آیت کے آخری حصہ سے یہ ذہن نشین کرانا مقصود ہے کہ وعدہ یا قول وقرار کو معمولی بات نہ سمجھا جائے اس کی خلاف ورزی بہت بڑا گناہ ہے اس کا وبال صرف دنیا تک محدود نہیں بلکہ آخرت میں بھی اس کے بارے میں جوابدہ ہونا پڑے گا۔ درحقیقت کسی صاحبِ ایمان سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ وعدہ خلافی کا مرتکب ہوگا۔ قرآن کی رو سے عہد یا وعدہ پورا کرنا اہل ایمان کی امتیازی خصوصیات میں سے ہے جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے:

وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا (البقرہ/۱۷۷) — اور (نیک لوگ وہ ہیں) جب وہ عہد کرتے ہیں تو اسے پورا کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ سورہ المومنون (آیت نمبر ۸) میں امانت وعہد کی پاسداری کو ان اعمال میں ذکر کیا گیا ہے جو اہل ایمان کو فوز وفلاح سے ہم کنار کرنے والے ہیں۔ اوپر وہ حدیث گذر چکی ہے جس میں عہد پورا کرنے کو دین کے لوازمات میں شمار کیا گیا ہے (لادین لمن لا عهد له)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مالی معاملات کے استحکام اور نزاع و اختلاف سے تحفظ کے لئے قرآن کریم نے ایک اور اہم ضابطہ وضع کیا ہے اور وہ یہ کہ فریقین میں لین دین کے جو کچھ معاملات طے ہوں ان کا تحریری ریکارڈ تیار کرلیا جائے تاکہ یہ دستاویز آئندہ کام آئے۔ قرآن کی یہ ہدایت خاص طور سے قرض کے معاملہ سے تعلق رکھتی ہے لیکن اسے لین دین یا مالی معاہدہ کے ہر معاملہ پر منطبق کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَـا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَـى أَجَلٍ مُّسَمًّـى فَـاكْتُبُـوهُ (البقرہ/۲۸۲)	اے ایمان والوں جب مقررہ مدت کے لئے آپس میں قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔

یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ قرآن نے دستاویز کی تیاری میں انتہائی احتیاط برتنے کی تاکید کی ہے۔ اس لئے کہ آئندہ اس پر بہت سے معاملات کا انحصار ہوگا۔ قرآن کی یہ واضح ہدایت ہے کہ لین دین کا تحریری ریکارڈ ٹھیک تیار کیا جائے۔ اس میں لاپرواہی، غفلت یا جان بوجھ کر بددیانتی نہ ہو کہ کسی ایک فریق کے ساتھ زیادتی و ناانصافی کا ذریعہ بنے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَـاتِبٌ بِالْعَدْلِ (البقرہ/۲۸۲)	اور تمہارے درمیان لکھنے والا انصاف سے لکھے۔

انصاف سے لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ معاملہ طے ہو اس کو لکھنے میں کمی بیشی یا کوئی تبدیلی نہ ہو بلکہ معاہدہ کی دفعات کو صحیح طور پر تحریر کیا جائے۔ دوسرے ریکارڈ کو مزید مستحکم بنانے کے لئے قرآن نے یہ ضروری قرار دیا کہ اس کی تیاری کے وقت دو گواہ موجود رہیں۔ قرض کے معاملہ کو تحریر کرنے کی ہدایت کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَن تَضِلَّ إِحْدَاهُمَـا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَـا الْأُخْرَىٰ (البقرہ/۲۸۲)	اور اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں کی اس پر گواہیاں کرلو اور اگر مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جن کو تم گواہی کے لئے پسند کرو تاکہ اگر ایک بھک جائے تو دوسری اس کو یاددہانی کرادے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن نے مالی معاملات میں دستاویز تیار کرنے کو اتنی اہمیت دی ہے کہ اس نے تحریری صلاحیت رکھنے والوں کا یہ اخلاقی فریضہ قرار دیا ہے کہ وہ اس سلسلہ میں اصحابِ معاملات کے ساتھ تعاون کریں اور اگر اس کے لئے ان سے رجوع کیا جائے تو وہ اس خدمت سے انکار نہ کریں۔قرآن کی ہدایت ملاحظہ ہو:

وَلَا یَأْبَ کَاتِبٌ أَنْ یَکْتُبَ کَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْیَکْتُبْ (البقرہ/۲۸۲)

اور لکھنے والے کو چاہئے کہ وہ لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اللہ نے اسے سکھایا ہے۔پس وہ لکھے۔

اس آیت کا یہ نکتہ قابل غور ہے کہ کتنے دلنشین انداز میں اس میں تحریری صلاحیت والوں کو یہ یاد دلایا گیا ہے کہ یہ صلاحیت اللہ رب العزت کی بخشی ہوئی نعمت ہے۔پس چاہئے کہ وہ آگے بڑھ کر اسے اچھے ومفید کاموں کے لئے استعمال کریں یا اس کے ذریعہ دوسروں کی مدد کریں۔یہ اس صلاحیت کا بہترین استعمال ہے اور نعمت خداوندی کی شکر گزاری بھی ہے۔

اسی طرح گواہوں کے سلسلہ میں قرآن کی یہ ہدایت بہت اہم ہے کہ اگر ضرورت کے وقت انہیں گواہی کے لئے طلب کیا جائے تو وہ اس سے گریز نہ کریں اور گواہی دینے میں حق وصداقت سے کام لیں۔ارشادالٰہی ہے:

وَلَا یَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوْا (البقرہ/۲۸۲)

اور اگر گواہوں کو بلایا جائے تو وہ [حاضر ہونے وگواہی دینے سے] انکار نہ کریں۔

گواہی چھپانے یا سچ سچ گواہی نہ دینے پر قرآن نے کتنے سخت الفاظ میں تنبیہ کی ہے ملاحظہ ہو:

وَلَا تَکْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ یَکْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِیْمٌ (البقرہ/۲۸۳)

اور تم لوگ گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو شخص گواہی چھپاتا ہے یقیناً اس کا دل گنہ گار ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے بخوبی واقف ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موجودہ دور میں ملزمین یا ان کے حمایتیوں کی جانب سے گواہوں کو ڈرانے دھمکانے اور انہیں گواہی دینے سے روکنے یا سچی شہادت سے باز رکھنے کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں اور ان مذموم حرکات کا مقدمات کی سنوائی پر اثر پڑتا ہے۔ اور دوسرے حقوق کے ساتھ مالی حقوق کی بازیابی بھی مشکل ہوجاتی ہے۔ قرآن نے آج سے تقریباً ڈیڑھ ہزار برس قبل ملزمین یا ان کے طرفداروں کی ان مجرمانہ حرکات پر قدغن لگانے کے لیے کیسی سخت ہدایت جاری کی۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَلاَ یُضَـآرَّ کَـاتِبٌ وَلاَ شَهِیْدٌ وَإِن تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِکُمْ (البقرہ/۲۸۲)	اور کاتب و گواہ کو نقصان نہ پہنچایا جائے اور اگر ایسا کروگے تو یہ تمہارے لیے گناہ ہوگا۔

اوپر کی تفصیلات سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ مالی معاملات سے متعلق قرآنی ہدایات و تعلیمات بہت جامع و محکم ہیں اور سماجی و معاشی زندگی کی بہتری و خوشگواری کے لیے نہایت مؤثر و مفید ہیں۔ مالی لین دین کے تمام معاملات میں دیانت داری، صفائی، شفافیت اور دغا و فریب سے دوری متعلقہ قرآنی ہدایات کے سب سے اہم اجزا ہیں، ان پر عمل پیرا ہونے پر نہ صرف معاشی و مالی امور کی بحسن وخوبی انجام دہی منحصر ہے بلکہ اس میں سماجی زندگی کی خوشگواری کی بھی ضمانت ہے۔ اللہ کرے ہمیں اس حقیقت کو سمجھنے اور اسے عملی جامہ پہنانے کی توفیق نصیب ہو۔

اللہ الموفق وھو المستعان

© rasailojaraid.com